قرض اور فرض

ڈاکٹر صفدر محمود

''قرض'' کا لفظ پڑھ کر آپ گھبرا نہ جائیں کیونکہ میں آپ کو سنسنی خیز داستانوں اور نام نہاد سازشوں کی تفصیلات سنانے نہیں جا رہا بلکہ وہ قرض اتارنے کا ارادہ رکھتا ہوں جو قارئین کا مجھ پر واجب ہے۔ چنانچہ میں ایک آدھ واقعے کی تصحیح کرنا چاہتا ہوں اور ایک زبان زد عام مقولے یا مشہور قول کا پس منظر واضح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں تا کہ قارئین اس سے استفادہ کر سکیں۔

پہلے قرض اور پھر فرض کی جانب آؤں گا۔ قرض یوں کہ میں نے اپنے ایک گزشتہ مضمون بعنوان ''تحریک پاکستان کے منفرد پہلو اور مشیت ایزدی کے واضح اشارے'' مطبوعہ چودہ اگست 2003ء میں ایک واقعے کا ذکر کیا تھا جس کا تعلق مولانا حسین احمد مدنی سے تھا۔ علاوہ ازیں میں نے مولانا اشرف تھانوی، مولانا حسرت موہانی اور مولانا حسین احمد مدنی کے خوابوں کا ذکر تھا جس میں مولانا تھانوی اور مولانا موہانی کے خوابوں کے ضمن میں مصدقہ کتابوں کا حوالہ دیا گیا تھا لیکن مولانا حسین احمد مدنی کے خواب کے حوالے سے میں نے لکھا تھا کہ یہ بات میں نے کمیٹی بزرگوں سے سنی ہے لیکن مجھے اس کا کوئی قابل اعتماد ریفرنس نہیں ملا۔ جن حضرات نے یہ مضمون پڑھا ہے ان کو یاد ہوگا کہ میں نے ان عظیم ہستیوں کے ان خوابوں کا ذکر کیا تھا جن میں قیام پاکستان کی بشارت دی گئی تھی اور یہ احوال مصدقہ کتب میں موجود تھے۔ مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ انہوں نے بھی 1946ء میں ایک ایسا خواب دیکھا تھا جس میں ان کو قیام پاکستان کی بشارت دی گئی تھی۔ جب یہ مضمون چھپا تو مجھے عزیزم خواجہ محمد طارق ڈی ایم جی افسر نے فون کیا اور اس خواب کی تفصیل بیان کی چنانچہ میں نے ان سے اس کا ثبوت مانگا۔ مشکل یہ تھی کہ انہوں نے جس کتاب کا حوالہ دیا وہ آسانی سے پاکستان میں دستیاب نہیں تھی چنانچہ انہیں یہ کتاب حاصل کرنے میں تین ماہ کا عرصہ لگ گیا اور میں سند کے بغیر وضاحت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب چونکہ سند مل گئی ہے اس لئے میں اصل واقعہ من و عن پیش کر رہا ہوں اگرچہ مجھے احساس ہے کہ کئی حضرات اس پر ناک بھوں چڑھائیں گے اور مجھ پر تبرّا بھیجیں گے لیکن ریکارڈ کی تصحیح میرا فرض ہے اور یہ قارئین کا مجھ پر قرض ہے۔ اس وقت ایک کتاب میرے سامنے پڑی ہے جس کا نام ہے ''شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، واقعات و کرامات کی روشنی میں'' اس کتاب کے مرتب مولانا سید رشید الدین حمیدی ہیں اور یہ مراد آباد سے چھپی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر 94 پر درج ذیل واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کا عنوان ہے ''اصحاب باطن نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا''۔ مولانا رشید احمد صدیقی کلکتہ نے اسے یوں بیان کیا ہے۔ 1946ء جنرل الیکشن کی ہنگامہ خیزیوں کا زمانہ تھا۔ حضرت مدنیؒ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے پورے ہندوستان کا طوفانی دورہ کر رہے تھے۔ صوبہ بنگال میں تمام صوبوں کے بعد الیکشن ہونا تھا، اس لئے حضرت اواخر فروری

میں نواکھالی تشریف لے گئے۔ قافلہ میں مولانا عبدالحلیم صدیقی، مولانا نافع گل اور دیگر چند پشاوری طالب علم تھے۔ 3 مارچ کو گوپال پور تھانہ بیگم گنج پہنچے۔ چوہدری رازق الحیدر کے دولت کدہ پر قیام ہوا۔ دوسرے دن ایک عظیم الشان انتخابی جلسہ میں تقریر کا پروگرام تھا۔ رات میں گیارہ بجے کھانا تناول فرما کر 12 بجے کے قریب آرام فرمانے کے لئے لیٹ گئے۔ میں پاؤں دباتا رہا۔ کچھ دیر بعد نیند آگئی۔ ہم لوگ دوسرے کمرے میں جا کر کچھ ضروری کام کرنے لگے۔ تقریباً دو بجے رات میں مجھ کو اور چوہدری مصطفیٰ کو طلب فرمایا۔ ہم دونوں حاضر ہوئے تو ارشاد فرمایا کہ لو بھئی! اصحاب باطن نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ دے دیا اور ہندوستان کے ساتھ ساتھ بنگال اور پنجاب کو بھی تقسیم کر دیا۔ میں نے عرض کیا کہ اب ہم لوگ جو تقسیم کے مخالف ہیں کیا کریں گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ ظاہر کے پابند ہیں جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کے لئے پوری قوت کے ساتھ جدوجہد جاری رکھیں گے۔ دوسرے دن گوپال پور کے عظیم الشان جلسہ میں تقسیم پر معرکتہ الآرا تقریر فرمائی۔ بالآخر 3 جون 1947 کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے غیر متوقع اعلان سے اس واقعہ کی حرف بحرف تصدیق ہوگئی''۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر 136 پر مولانا افضال الحق اعظمی کے حوالے سے ایک واقعہ درج ہے جو قارئین کی نذر کرتا ہوں۔ ''پاکستان بن جانے کے بعد ایک صاحب نے مجلس میں سوال کیا کہ حضرت پاکستان کے لئے اب آپ کا کیا خیال ہے؟ تو حسب معمول سنجیدگی اور بشاشت کے ساتھ فرمایا کہ مسجد جب تک نہ بنے، اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب بن گئی تو وہ مسجد ہے''۔ غور کیجئے پاکستان کے لئے مسجد کا لفظ استعمال کیا گیا۔

یہاں یہ ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی کی مانند مولانا ابوالکلام نے بھی ڈٹ کر تقسیم ہند اور قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی لیکن میں نے کئی ایسے واقعات پڑھے ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد ان کے دل میں پاکستان کے لئے نرم گوشہ موجود تھا اور وہ پاکستان کے استحکام کے خواہاں تھے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ مولانا سید حسین احمد مدنی کانگریس کے سرکردہ لیڈر اور قیام پاکستان کے زبردست مخالف تھے۔ مصلحت کا تقاضا تھا کہ وہ اس روحانی واردات کا ذکر نہ کرتے کیونکہ اس سے ان کے سیاسی موقف پر زد پڑتی تھی اور ان کے پیروکاروں کے حوصلے پست ہوتے تھے۔ ان پر جو کچھ منکشف ہوا انہوں نے اپنے قریبی مریدان سے بیان کر دیا۔ اس طرح میں نے اپنے 14 راگست 2003ء والے مضمون میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا حسرت موہانی کے روحانی انکشافات کا ذکر کیا تھا جو میں نے مصدقہ کتابوں میں پڑھے تھے اور ان کتابوں کا حوالہ بھی دیا تھا کیونکہ یہ کوئی سینہ بہ سینہ سفر کرنے والی داستانیں نہ تھیں بلکہ یہ ان کے قریبی اور عینی شاہدوں کے بیانات تھے جو ان حضرات کی وفات کے بعد شائع ہوئے تھے۔ ان واقعات یا روحانی انکشافات کے بیان سے نہ کسی کا کوئی مطلب پورا ہوتا تھا اور نہ ہی ان کے پس پردہ کوئی مطلب براری یا محرک تھا اور پھر یہ واقعات ایسی ہستیوں کے بارے میں تھے جن کی عظمت کردار، نیکی، سچائی اور باطنی روشنی مسلمہ ہے لیکن چند ایک منکران روحانیت، مخالفین دین و مذہب اور ملحد قسم کے حضرات نے میرے مخالف محاذ کھول دیئے۔ جس کی مجھے چنداں پروا نہیں کیونکہ میں نے تحقیق کے نتیجہ کے طور پر جہاں تاریخ فرشتہ کے حوالے دیئے تھے اور محمد بن قاسم سے لے کر تقسیم ہند تک کے اہم واقعات یا سنگ ہائے میل کے رخ اور اہمیت کا ذکر کیا تھا وہاں روحانی پہلو کی طرف سے بھی مختصر سا اشارہ کیا تھا جن کی حمایت میں مستند حوالے موجود تھے۔ ہندوستان سے کچھ ہندوؤں اور پاکستان سے اکھنڈ بھارت کے چند ایجنٹوں نے بھی گالیوں سے بھری ای میلیں بھجوائیں کیونکہ انہیں میرے مضمون میں روحانی پہلو اور ذکر رسول ﷺ ناگوار گزرا تھا۔ ان کا ردعمل قابل فہم تھا۔ اسی طرح ہمارے چند ایک حضرات، جنہیں عقل کل ہونے کا زعم ہے اور جو بظاہر آزادی اظہار کے علمبردار ہیں انہوں نے بھی ان واقعات کو سیاق و سباق سے الگ کر کے جس طرح تمسخر اڑانے کی سعی کی اس سے بھی مجھے کوئی حیرت نہ ہوئی کیونکہ میرے لئے یہ سب کچھ متوقع تھا اس لئے کہ

''اس طرح تو ہوتا ہے، اس طرح کی باتوں میں''

جناب خالد احمد نے بھی اپنی قلمی توپ سے مجھ پر گولے برسائے اور ایک کالم لکھ مارا لیکن میں اس کا جواب دے کر اپنا وقت ضائع نہیں کروں گا کیونکہ خالد صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں میرے ہم عصر تھے، میں ان کا احترام کرتا ہوں اور ان تمام حضرات کے نقطہ نظر کا احترام کرتا ہوں جو علمی ادبی موقف کو ذاتی رنگ دے کر غیر مہذب سطح پر نہیں اترتے۔ اختلاف ایک مثبت سوچ اور صحت مند معاشرتی قدر ہے لیکن اس پر ذاتیات کا رنگ چڑھا کر منفی تنقید کرنا اور کسی کا تمسخر اڑانا ذہنی پستی کی علامت ہے جو کم از کم جمہوریت اور آزادی اظہار کے علمبرداروں کو زیب نہیں دیتی۔ جہاں تک سچے خواب یا کسی عظیم شخصیت کی روحانی واردات سے ناگواری کا تعلق ہے تو پنجابی کے ایک مصرع کے مطابق

گوری مجھے، توں کی جانیں انارکلی دیاں شاناں

ترجمہ: (اے گوری بھینس تو انارکلی کی شان نہیں سمجھ سکتی)

اب دوسرے قرض کی طرف آتا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ 25 دسمبر 2003ء کو میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا ''قائداعظمؒ سے منسوب غلط بیانات و شکایات''۔ اس مضمون میں، میں نے قائداعظمؒ سے منسوب ایک بیان کا ذکر کیا تھا جو قطعاً بے بنیاد ہے لیکن جسے قائداعظمؒ کے خلاف منفی پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ قائداعظمؒ سے یہ فقرہ منسوب کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں نے اور میرے ٹائپ رائٹر نے بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کہی لیکن افسوس کہ معروف حوالے مبارک علی نے اپنے مضمون میں سابق ہندوستانی ہائی کمشنر کی کتاب کے حوالے سے ایک تقریب کا نقشہ کھینچ کر ہی صرف قائداعظمؒ کی ذات کے بارے میں منفی تاثر دیا بلکہ بلا تحقیق اس بیان اور کھوٹے سکے والی بات کو اچھالا جو صریحاً غلط ہیں۔ ہمارے ملک میں بڑا اسکالر اسے سمجھا جاتا ہے جو قائداعظمؒ، اقبالؒ، تحریک پاکستان اور پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر کلہاڑے چلائے اور ہر تاریخی واقعے میں سازش ڈھونڈے۔ ایک مخصوص گروہ اسے روشن خیالی تصور کرتا ہے ان کے نزدیک کسی بھی تحریک کے ضمن میں دین یا دینی امور کا ذکر کرنا رجعت پسندی بلکہ جہالت ہے۔ انہیں اپنا نقطہ نظر مبارک لیکن اپنے موقف کی حمایت میں سند دینا تحقیق کا بنیادی اصول

ہے اور بے پر کی اڑانا یا سنی سنائی باتوں پر مضمون کی بنیاد رکھنا یا ایک واضح طور پر مخالف اور متعصب راوی کے بیانات کو بنیاد بنا کر قوم کے محسنوں کو رگیدنا کہاں کی اسکالر شپ اور کہاں کا انصاف ہے۔ بلاشبہ مبارک علی ایک معروف مورخ ہیں انہیں حال ہی میں ہندوستان کی جانب سے رام کرشنا جے دیال ایوارڈ (Ram Krishna Jaidayal Harmony Award) ملا ہے۔ جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں لیکن واقعات و بیانات کی چھان بین محقق کا بنیادی فرض ہوتا ہے اور ذمہ دار لوگوں سے غیر ذمہ دارانہ رویئے کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

بات دور نکل گئی شاید بات ہی کچھ ایسی تھی۔ جب یہ مضمون چھپا تو محترم حنیف رامے صاحب سابق وزیراعلیٰ پنجاب کا فون آیا۔ آپ رامے صاحب کے ساتھ سابق وزیراعلیٰ کے ذکر سے حیران نہ ہوں۔ پنجاب کے اقتدار پر شیروں کے علاوہ بھی کچھ شرفا متمکن ہوتے رہے ہیں جنہیں آپ ماورائے اصول یعنی (Exception) کہہ سکتے ہیں اور میں انہیں تاریخ کا حادثہ قرار دیتا ہوں، ایسی ہی ایک مثال جناب حنیف رامے بھی ہیں جو بہت اچھے مصور، مقرر، لکھاری اور ممتاز دانشور ہیں۔ وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے باوجود پنجاب کے وزیراعلیٰ رہے۔ بعد ازاں اسپیکر بھی رہے ورنہ ہمارے ملک میں تو سیاسی اقتدار دولت مندوں کا مرغوب کھیل (Hobby) ہے چاہے وہ علم و دانش، کردار اور لیڈر شپ سے تہی دامن ہی کیوں نہ ہو اور چاہئے انہوں نے دن دھاڑے لوٹ کر ہی دولت کیوں نہ بنائی ہو۔

محترم حنیف رامے صاحب نے مجھے قائداعظمؒ سے منسوب غلط بیان کہ ''پاکستان میں نے اور میرے ٹائپ رائٹر نے بنایا تھا'' کا پس منظر واضح کیا اور بتایا کہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی مرحوم نے ان کو یہ بات کئی بار بتائی تھی کہ جن دنوں 37-1936 میں قائداعظمؒ کی علامہ اقبالؒ سے خط و کتابت جاری تھی اور وہ دن رات مسلم لیگ کو منظم کرنے اور اسے ایک عوامی مقبول جماعت بنانے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ ان دنوں ایک مشہور ہندو انگریز اخبار ٹریبون (Tribune) نے مسلم لیگ اور قائداعظمؒ پر طنز کرتے ہوئے یہ فقرہ لکھا تھا جو چپک گیا اور جیسے غلط رنگ دے کر یار لوگوں نے اپنی خواہشات کے سانچے میں ڈھال لیا، وہ فقرہ تھا

"After all see, what is Muslim League?Mr.Jinnah and his type writer".

یاد رہے کہ یہ فقرہ ہندو اخبار کا طنزیہ تبصرہ تھا، نہ کہ قائداعظم کا بیان...... آپ کو علم ہوگا کہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی علامہ اقبالؒ کے ساتھی، پنجاب میں مسلم لیگ کے اہم کارکن اور ممتاز محقق تھے جن کی کتابیں سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ وہ اس نازک دور کے شاہد بھی ہیں اور مورخ بھی۔ ان کا حوالہ معتبر اور قابل قبول ہے۔ میں رامے صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ گتھی سلجھائی۔ اسی طرح چراغ سے چراغ جلتے ہیں اور حقائق کی روشنی پھیلتی ہے۔ بہرحال یہ ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ جس طرح 37-1936 میں لکھا گیا ٹریبون کا یہ فقرہ تاریخ کا حصہ بن گیا اسی طرح 1940 میں قرارداد لاہور کو ہندو پریس نے طنزاً قرارداد پاکستان کہہ کر مسلم لیگ کی مشکل آسان کردی تھی۔ قائداعظمؒ کے بقول جو پیغام انہیں عوام تک پہنچانے میں بہت وقت لگتا، وہ ہندو پریس نے قرارداد پاکستان کہہ کر فوری طور پر مسلمانوں تک پہنچا دیا۔

آخر میں مجھے ان تمام حضرات و خواتین اور طلبہ کا شکریہ ادا کرنا ہے جنہوں نے میرے ان مضامین اور قائداعظم اور کابینہ مشن والے مضمون پر شکریئے اور حوصلہ افزائی کے خطوط لکھے، ای میلیں بھجوائی اور فون کیئے۔ مقصد فقط کنفیوژن رفع کرنا اور قومی خدمت ہے دعا کیجئے کہ یہ آرزو پوری ہو۔ زندگی مختصر اور سفر طویل ہے۔